سفرنامہ تاجکستان

بسلسلہ کنگرہ جہانی شاہ ہمدانؒ

غضنفر مہدی

عظیم روحانی پیشوا حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی المعروف حضرت شاہ ہمدانؒ کی تقریبات کا سلسلہ سب سے پہلے پاکستان میں شروع ہوا۔ جب میں ۱۹۷۸ء میں اسلام آباد آیا تو میری ملاقات پروفیسر ڈاکٹر آغا حسین ہمدانی سے ہوئی۔ انہوں نے مجھے فرمایا کہ آپ دنیا جہان کی تقریبات کرواتے رہتے ہیں ایک تقریب ہمارے جد امجد حضرت شاہ ہمدانؒ کی یاد میں ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ہمدانی سے میری دو تین بار ملاقات ہوئی۔ میرے مشورے سے انہوں نے ہمدانیہ سادات کونسل قائم کی۔ اس تنظیم کے اجلاس میں انہوں نے میر عبدالعزیز' غلام دین وانی اور کرنل شہزادہ عالم کو بھی مدعو کیا۔ ہمدانیہ سادات کونسل کے پہلے اجلاس کے بعد شاہ ہمدان اسلامک ایسوسی ایشن کا قیام عمل میں آیا۔ ڈاکٹر ہمدانی اس کے صدر اور میر عبدالعزیز اس کے سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے۔ حضرت شاہ ہمدانؒ کی تقریبات کا سب سے زیادہ کریڈٹ انہی دو حضرات کو جاتا ہے۔ جس طرح پی ایچ ڈی مقالہ کے لئے کسی گائیڈ کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح یہاں یہ فریضہ عالمی شہرت یافتہ سکالر پروفیسر ڈاکٹر احمد حسن دانی نے سرانجام دیا۔ پروفیسر سید حسن شاہ' پروفیسر ڈاکٹر ریاض احمد' پروفیسر ڈاکٹر محمد ریاض اس قلمی کارواں میں شامل ہو گئے۔ شاہ ہمدان ایسوسی ایشن کی طرف سے پہلی تقریب ۱۹۸۶ء میں ہالیڈے ان ہوٹل اسلام آباد میں زیر صدارت مخدوم محمد سجاد حسین قریشی منعقد ہوئی۔ جس میں حضرت شاہ ہمدان المعروف امیر کبیر کی شخصیت اور ان کی دینی' علمی' ادبی' ثقافتی اور تبلیغی خدمات پر روشنی ڈالی گئی۔ اس کے بعد ۱۹۸۷ء میں ایک کانفرنس ہمدرد مرکز میں منعقد ہوئی جس کی صدارت اس وقت کے گورنر پنجاب مخدوم محمد سجاد حسین قریشی نے کی۔ اس کانفرنس مین حضرت شاہ ہمدانؒ پر قلمی کاوشیں کرنے والے دانشوروں کی خدمات کے اعتراف کے طور پر ان کو انعامات و اعزازات سے نوازا گیا۔ اس کانفرنس کے

بعد تنظیم کا نام انٹرنیشنل شاہ ہمدان ایسوسی ایشن رکھا گیا۔ سردار عبدالقیوم خان جو اس وقت آزاد کشمیر کے صدر تھے اس تنظیم کے سرپرست اعلیٰ اور سردار سکندر حیات خان جو اس وقت آزاد کشمیر کے وزیر اعظم تھے کو اس کا سرپرست بنایا گیا۔ اکتوبر ۱۹۸۷ء میں مظفر آباد میں پہلی بین الاقوامی حضرت شاہ ہمدان کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں دنیا بھر سے مورخین و محققین کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ انٹرنیشنل شاہ ہمدان ایسوسی ایشن کی تنظیم نو کی گئی ملک کے ممتاز صحافی میر خلیل الرحمٰن اس کے سینئر نائب صدر اور راقم الحروف اس کے نائب صدر بنائے گئے۔ میری دعا ہے کہ میر خلیل الرحمٰن کی اولاد بھی اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس تنظیم سے وابستہ ہوں۔ مظفر آباد کانفرنس کی کامیابی میں پروفیسر سرور عباسی' پروفیسر خان زمان مرزا اور خواجہ عبدالصمد وانی نے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ اس کانفرنس میں پہلی مرتبہ وسط ایشیا کی ریاستوں کے دانشوروں نے شرکت کی۔ سردار عبدالقیوم خان صدر آزاد کشمیر اور سردار سکندر حیات خان وزیر اعظم آزاد کشمیر نے مظفر آباد یونیورسٹی میں شاہ ہمدان چیئر کے قیام کا اعلان کیا۔ کانفرنس میں اہل علم نے یہ باور کرایا کہ آج وادی کشمیر میں جس انداز سے آزادی کی تحریک چل رہی ہے اس کا تمام سہرا حضرت شاہ ہمدانؒ کے سر ہے جن کی تبلیغ سے وادی کشمیر میں اسلام پھیلا۔ وہ سینکڑوں سال قبل سات سو ماہرین فنون کے ساتھ کشمیر تشریف لائے۔ لوگوں کو تبلیغ کے ساتھ رزق حلال کے طریقے بتائے۔ آج کشمیر میں جتنی صنعت و حرفت اور دستکاری دیکھنے مین آتی ہے وہ تمام تر حضرت شاہ ہمدانؒ کا عطیہ ہے۔ بقول علامہ اقبال۔

سید السادات' سالار عجم — دست او معمار تقدیر امم

خطہ را آں شاہ دریا آستیں — داد علم و صنعت و تہذیب و دین

حضرت شاہ ہمدانؒ جب سری نگر پہنچے تو کئی پروہتوں نے قبول اسلام کیا اور حضرت شاہ ہمدانؒ نے یہاں خانقاہ معلی تعمیر کی۔ چنانچہ کشمیری دانشور ان کی یاد میں منعقدہ اجتماعات میں خلوص سے حاضری دیتے ہیں۔ ۱۹۹۱ء میں انٹرنیشنل شاہ ہمدان کانفرنس بھوربن ہوٹل مری میں منعقد ہوئی جس میں وسط ایشیا کے عظیم دانشور پروفیسر محمد سیف الدین عاصمی' پروفیسر سعد اللہ اور حضرت شاہ ہمدانؒ کے سجادہ نشین خیر اللہ پاکستان تشریف لائے۔ اس کانفرنس کو کامیاب بنانے میں انجم رومانی' جاوید ہمدانی اور کرنل شہزادہ عالم نے قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ تاجکستان سے آئے ہوئے دانشوروں نے فیصلہ کیا کہ ایک انٹرنیشنل شاہ ہمدان کانفرنس حضرت شاہ ہمدانؒ کی آخری آرام گاہ کولاب میں منعقد ہو گی۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ بھوربن

کانفرنس کے تمام شرکاء ایک قافلے کی صورت میں نوکوٹ ضلع مانسہرہ گئے یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت شاہ ہمدانؒ خالق حقیقی سے جا ملے۔ اس جگہ سے ان کا جنازہ ان کی وصیت کے مطابق ایک جلوس کی صورت میں کولاب روانہ کیا گیا۔ روایت یہ ہے کہ ایک بستی کے رہنے والے اپنی حدود میں جنازے کو وصول کرتے جہاں ان کی حد ختم ہوتی تو دوسری بستی کے لوگ کندھا دینے کے مشتاق ہوتے۔ اور یوں یہ قافلہ عشق ختلان کے دارالحکومت کولاب چھ ماہ کے بعد پہنچا جہاں انہیں سپرد خاک کیا گیا۔ تاجکستان کے وفد کی خواہش پر پروفیسر ڈاکٹر آغا حسین ہمدانی اور میر عبدالعزیز ۱۹۹۳ء میں تاجکستان گئے تاکہ آئندہ سال وہاں پر ۶۸۰ ویں یوم ولادت کی تقریبات منعقد کی جا سکیں۔ حضرت شاہ ہمدانؒ کی تقریبات جو گذشتہ سال منعقد ہونی تھیں وہ اس سال یعنی ۱۹۹۵ء میں منعقد ہوئیں اور اس کا اہتمام وزارت ثقافت و تعلیم حکومت تاجکستان اور تاجکستان کی ثقافتی تنظیم "پیوند" نے کیا۔ کانفرنس میں دنیا بھر کے ممتاز مورخین اور دانشوروں کو شرکت کی دعوت دی گئی۔ پاکستان سے ۲۲ اہل قلم جن میں ڈاکٹر احمد حسن دانی' ڈاکٹر آغا حسین ہمدانی' ڈاکٹر ریاض احمد' ڈاکٹر انجم رومانی اور راقم شامل تھے' مدعو کئے گئے۔ آزاد جموں کشمیر کونسل نے پاکستانی وفد (نصف اراکین) کے اخراجات برداشت کئے۔ حکومت آزاد جموں کشمیر کی یہ سمری جب وزیراعظم کو ارسال کی گئی تو انہوں نے وفاقی وزیر تعلیم سید خورشید احمد شاہ کو اس وفد کی قیادت کے لئے نامزد فرمایا اور آزاد جموں و کشمیر اسمبلی میں قائد حزب اختلاف راجہ ممتاز حسین راٹھور کو اس وفد میں شامل کیا۔ اس وفد کی روانگی اور انتظامات کے لئے آزاد جموں و کشمیر کونسل کے سیکرٹری جلیس صدیقی نے قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ پاکستانی وفد کا ہراول دستہ زیر قیادت ڈاکٹر احمد حسن دانی اور ڈاکٹر آغا حسین ہمدانی دس افراد پر مشتمل یکم ستمبر کو اسلام آباد سے براستہ کراچی تاشقند روانہ ہوا جہاں سے وہ بذریعہ بس خجند پہنچے اور خجند ہوٹل میں رات قیام کے بعد دو ستمبر کو دوشنبے پہنچے جبکہ سرکاری پاکستانی وفد سید خورشید احمد شاہ کی سربراہی میں ۵ ستمبر کو اسلام آباد سے کراچی روانہ ہوا۔ جہاں سے ساڑھے تین بجے ایرو ایشیا کی فلائٹ کے ذریعے دوشنبے روانہ ہونا تھا۔ جب یہ وفد کراچی پہنچا تو معلوم ہوا یہ فلائٹ دو گھنٹے تاخیر سے جائے گی۔ سید خورشید احمد شاہ نے اراکین قافلہ کو دعوت دی کہ وہ قصر ناز میں آرام فرمائیں اور شام کو دوشنبے کے لئے پرواز کے وقت وی آئی پی لاؤنج میں دوبارہ جمع ہوں۔ گاڑیاں لگ چکی تھیں اور ہم روانہ ہونے والے تھے کہ مظہر الاسلام نے مشورہ دیا کہ قصر ناز آنے جانے میں دو گھنٹے لگ جائیں گے بہتر ہے کہ وی آئی پی لاؤنج میں ہی آرام کیا جائے۔ چنانچہ راجہ ممتاز حسین

راٹھور، جلیس صدیقی، مظہرالاسلام اور بندہ ناچیز وی آئی پی لاؤنج میں آئے۔ جلیس صدیقی نے وی آئی پی لاؤنج کو اپنا عارضی سیکرٹریٹ بنا لیا اور وی آئی پی لاؤنج کے دونوں ٹیلی فونوں سے دوشنبے، تاشقند اور اسلام آباد رابطے شروع کر دیئے۔ سید خورشید احمد شاہ مقررہ وقت پر آئے۔ انہوں نے خود خیال فرمایا کہ آخر بیرون ملک جا رہے ہیں تو وہاں کے زعما کے لئے چند تحائف خرید لئے جائیں۔ چند گلدستے انہیں پسند آئے جنہیں خوبصورت انداز میں بند کرایا گیا۔ یوں سفر کا یہ مرحلہ ختم ہوا۔

جس پرواز سے ہم نے سفر کرنا تھا وہ تاجکستان ائرلائن کی چارٹرڈ فلائٹ تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ چارٹرڈ فلائٹ ہر منگل کو دوشنبے سے کراچی آتی ہے اور کراچی سے دوشنبے کے مسافروں کو لے کر واپس جاتی ہے۔ اس فلائٹ میں ہمارے لئے دس نشستیں مختص کر دی گئیں تھیں جن پر ہم براجمان ہو گئے۔ تاجکستان ائرلائن کی یہ پرواز پاکستانی بس کا منظر پیش کر رہی تھی۔ لیکن اس بس کی سواریاں پاکستانی چہروں سے زیادہ خوبصورت اور بااخلاق تھیں۔ جونہی سفر کا آغاز ہوا تو ایک تاجک حاجی بابا جو سب سے آگے تشریف فرما تھے، نے بلند آواز سے دعائیں پڑھیں۔ اور باقی سواریوں نے سلامتی سفر کی دعا پر آمین کہی۔ ان تمام سواریوں کی زبان فارسی تھی۔ خواتین اور مردوں کے چہرے شمالی علاقہ جات خصوصاً ریاست ہنزہ کے چہروں سے مماثلت رکھتے تھے۔ جو اشیاء تاجکستان کے لوگ یہاں سے لے کر جا رہے تھے ان میں صابن، ٹشو پیپر، ڈن ہل کے سگریٹ اور روزمرہ استعمال کی اشیاء شامل تھیں۔ طیارے میں معلوم ہوا کہ ان اشیاء کی وسط ایشیا کی تمام ریاستوں میں خاص اہمیت ہے۔ میں طیارے میں کھڑکی والی نشست پر بیٹھا تاکہ بیرونی نظارہ کیا جا سکے۔ لیکن جونہی میں وہاں بیٹھا تو قائد وفد سید خورشید احمد شاہ نے حکم دیا کہ حضرت شاہ ہمدان کانفرنس کے لئے ان کی تقریر لکھ دی جائے۔ مظہرالاسلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ بہتر ہے کہ ہوٹل میں وقت ضائع کرنے کی بجائے طیارے کا وقت اس خدمت کے لئے استعمال کیا جائے۔ پہلے چار صفحے لکھے جنہیں وزیر محترم نے پسند کیا لیکن ارشاد فرمایا کہ ان کا خطاب پندرہ منٹ سے کم نہیں ہونا چاہئے اور اپنے خطاب کے بارے میں انہوں نے چند نکات بھی بتائے۔ ہمارے بریف کیسوں میں جتنے بھی سفید کاغذ رکھے ہوئے تھے وہ اس نیک مقصد کے لئے استعمال ہوئے۔ جونہی طیارے کے دوشنبے پہنچنے کا اعلان ہوا شاہ صاحب کی تقریر انہیں تھما دی گئی۔ سید خورشید احمد شاہ کے ہمراہ ان کی اہلیہ محترمہ بھی تھیں چنانچہ یہ پورا سفر تقدس کی فضا میں گزرا جبکہ ہم اس سفر میں مصروف رہے۔ جونہی ہم دوشنبے ائرپورٹ پر پہنچے تو تاجکستان میں پاکستان کے سفیر جاوید حفیظ نے ہمارا استقبال

کیا۔ تاجکستان کے نائب وزیراعظم بھی پاکستانی وفد کے استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے۔ ائرپورٹ پر ان کے ہمراہ دوشنبے کے میئر اور چند ممتاز اہل قلم بھی شامل تھے۔ تاجکستان کے زعما نے روایتی طور پر نمک روٹی استقبال کے موقع پر پیش کی جسے چکھنا اور کھانا ضروری ہوتا ہے۔ وی آئی پی لاؤنج کی نشست گاہ میں صرف دو صوفے رکھے ہوئے تھے۔ وزیر موصوف اور ان کی اہلیہ وہاں تشریف فرما ہو گئے۔ باقی احباب سامنے والے کمرے میں جا بیٹھے۔ سامنے والا کمرہ بار روم تھا۔ بار روم سے مراد وکیلوں کا کمرہ نہ سمجھا جائے۔ بار روم سے مراد ہر قسم کے مشروبات کا کمرہ ہے۔ ہم نے قہوہ سیاہ مانگا یہ بلیک ٹی کا ترجمہ تھا۔ ہم نے سیاہ قہوہ کا نرخ پوچھا تو وہ ۶ ڈالر فی کپ تھا۔ جب کہ واڈکا بوتل کا نرخ ۶ ڈالر تھا۔ آپ ہماری شرافت کا اندازہ لگائیں کہ شراب سے مہنگے داموں چائے ہمیں میسر آئی۔ انتظامیہ کی طرف سے ایک حسین و جمیل بلند قامت خاتون اس وفد کے استقبال کے لئے تشریف لائیں۔ وہ وزیر موصوف اور ان کی اہلیہ کے ہمراہ تشریف فرما تھیں۔ اس تاجک خاتون کا قد چھ فٹ سے زیادہ تھا اور وہ کوہ قاف کی پریوں سے زیادہ حسین تھی۔ سکرٹ پہنے ہوئے یہ خاتون ہر بات پر ایک دل فریب مسکراہٹ دیتی تھی۔ ہماری خواہش تھی کہ یہ مجسمہ اسی طرح تشریف فرما رہے اور قدرت کے اس حسن کی جتنی تعریف ممکن ہو وہ ہوتی رہے۔ سید خورشید احمد شاہ کے پرائیویٹ سیکرٹری مانگریو پابند صوم و صلوۃ صوفی ہیں۔ وہ اس خوش کن منظر کی بجائے طیارے کی طرف بڑھے اور پاکستانی سفارت خانے کے عملے کے رکن جاوید حسن کے ہمراہ سارا سامان اتار لائے۔ وی آئی پی لاؤنج کے باہر ایک احاطہ تھا اس میں روسی ساخت کی ایک پرانی جیپ موجود تھی۔ وزیر محترم اور ان کی اہلیہ تو سفیر صاحب کے ساتھ ڈاچے روانہ ہوئے۔ ڈاچے تاجکستان اور ازبکستان میں سٹیٹ گیسٹ ہاؤس کو کہا جاتا ہے۔ وفد کے باقی اراکین تاجکستان ہوٹل پہنچے۔ ہوٹل کی بتیاں بند تھیں ہم نے ماجرا پوچھا تو بتایا گیا کہ دوشنبے کی مارکیٹیں چار بجے اور ہوٹل سات بجے بند ہو جاتے ہیں۔ جبکہ ہمارا خیال تھا کہ ہم سرشام پہنچ کر بازار اور ریستورانوں میں سیر و تفریح کریں گے۔ لہٰذا ہم ہوٹل میں ٹھہرنے پر مجبور ہو گئے۔ ہوٹل کی انتظامیہ سے درخواست کی گئی کہ عشائیہ کا اہتمام کیا جائے تو انہوں نے کہا کہ سات بجے سے پہلے آرڈر ہونا چاہئے۔ وفد کے ہر رکن نے اپنے اپنے کمرے میں موجود فروٹ باسکٹ کو عشائیے کا نعم البدل سمجھ کر تناول کیا۔ تاجکستان ہوٹل فائیو سٹار ہوٹل ہے لیکن اس ہوٹل کے لوازمات مقررہ اور مجوزہ وقت کے اندر ہیں۔ ہمارا کمرہ فلور نمبر۶ پر تھا۔ اسی فلور پر پاکستانی سفیر کی عارضی رہائش گاہ بھی ہے۔ جونہی ہم فلور کے ڈیسک پر پہنچے تو ایک صحت مند بزرگ

خاتون نے السلام و علیکم کہہ کر ہمارا استقبال کیا۔ ہم نے انگریزی میں کمرہ کا نمبر بتایا تو خاتون نے کہا کہ فارسی میں نمبر بتایا جائے۔ جب نمبر بتایا تو انہوں نے اپنے ڈیسک کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر ایک چابی گھمائی جس سے اندر چابیوں کی سیف والا دراز کھل گیا۔ تمام اراکین کو اپنے اپنے کمرے کی چابیاں دے دی گئیں۔ ہمارے دو شنبے پہنچنے پر ہمارے ایسے دوستوں نے' جن کا تعلق دو شنبے سے تھا' ایک ہدایت نامہ سنایا اور اس پر پابند رہنے کی تلقین کی۔ ہدایت نامے میں کہا گیا تھا کہ رات کو کوئی دروازہ کھٹکھٹائے تو دروازہ نہ کھولا جائے۔ اکیلے گلیوں بازاروں میں نہ پھرا جائے۔ خواتین سے رسم و راہ میں احتیاط برتی جائے۔ پانی ابال کر اور اشیائے خوردنی دھو کر استعمال کی جائیں۔ تاجکستان کی حکومت یا لوگوں پر تنقید سے گریز کیا جائے۔ انہیں احساس کمتری کا احساس نہ دلایا جائے۔ ان کے نظم و نسق پر تنقید نہ کی جائے۔ ان کی بدحالی کا مرثیہ نہ پڑھا جائے۔ ہمارے احباب نے بتایا تھا کہ تاجکستان کے لوگ انتہائی بااخلاق اور بامروت ہیں ان سے گفتگو اور تعلق انتہائی مہذب انداز اور پیار و اخلاق سے کیا جائے۔ جب ہمارے احباب کی زبانی ہمیں یہ ہدایات موصول ہوئیں تو ہم نے چوری چھپے باہر جانے کا ارادہ بھی ترک کر دیا اور رات دیر تک اراکین وفد آپس میں خوش گپیوں میں مصروف رہے۔ صبح کے پروگرام میں سفیر صاحب نے کہا کہ قائد وفد سید خورشید احمد شاہ اور ان کی اہلیہ محترمہ تاجکستان کے سپیکر اور نائب وزیراعظم کے ہمراہ ہیلی کاپٹر پر کولاب جائیں گے جبکہ وفد کے باقی اراکین ۶ بجے صبح تیار ہوں ساڑھے چھ بجے گاڑیوں میں بیٹھ جائیں ساڑھے تین گھنٹے کا سفر ہے اور شاہ ہمدان کانفرنس دس بجے شروع ہو گی۔ رات ایک بجے سو کر صبح ۵ بجے اٹھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ کمرے میں گرمی نہیں تھی مگر پنکھے کی ضرورت تھی۔ ہم نے ہوٹل کی انتظامیہ سے پوچھا کہ یہاں پنکھا نہیں ہے تو انہوں نے کہا کہ ہمارے ہاں پنکھوں کا رواج نہیں ہے۔ البتہ ائرکنڈیشنر کا رواج ہے۔ رات کو ہم نے کھڑکیاں کھول دیں تو پھر پنکھے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ میرے کمرے میں میرے ساتھ وزیراعظم سیکرٹریٹ کے جائنٹ سیکرٹری افتخار تھے۔ ماشاء اللہ ان کا تعلق بھی دیہی سماج سے ہے۔ میں نے اور انہوں نے بھی شلوار قمیض پہنی۔ ہوٹل کے ڈبل روم کے دونوں بیڈ ہماری ٹرینوں کے ائرکنڈیشنر ڈبوں میں لگے ہوئے برتھ کے برابر تھے جن کی پائنتی اور دائیں جانب لکڑی لگی ہوئی تھی۔ ہلکا سا اگر رخ تبدیل کیا جائے تو پورے کمرے میں گونجدار آواز آتی۔ لہٰذا اس کھڑکھڑاہٹ میں ہم دونوں کو نیند نہ آئی۔ صبح پانچ بجے آنکھ کھلی تو میں نے افتخار بھائی سے کہا کہ آپ پہلے باتھ روم ہو آئیں ابھی وہ نیند کے خمار میں تھے۔ انہوں نے

حکما" ارشاد فرمایا کہ نہیں پہلے آپ ہو آئیں۔ باتھ روم اتنا مختصر تھا کہ اس میں بندہ صرف اپنے آپ کو بھگو سکتا ہے غسل کا تصور نہیں ہو سکتا۔ بہرحال ہم دونوں غسل کے مراحل سے فارغ ہو کر نیچے ڈائننگ ہال پہنچے۔ ڈائننگ ہال میں دہی' پنیر' انگور' موٹی روٹی اور انار کا شربت موجود تھا۔ رات ہم نے فروٹ باسکٹ پر گذارہ کیا تھا اور صبح جو چیز بھی دستیاب ہوئی اس پر اکتفا کیا۔ انڈے کا آملیٹ مل گیا اس سے کچھ تسکین ہو گئی۔ وفد کے تمام اراکین ساڑھے چھ بجے گاڑی کے انتظار میں باہر نکل آئے۔ ٹریفک رواں دواں تھی۔ ہمارے سامنے وسل بجاتے ہوئے ایک روسی ٹینک گزرا۔ روسی فوجی اس ٹینک کو اس طرح گھما رہا تھا جیسے ٹریفک پولیس والے اپنی گاڑی کو اتصور نہیں ہو سکتا۔ بہرحال ہم دونوں غسل کے مراحل سے فارغ ہو کر نیچے ڈائننگ ہال پہنچے۔ ڈائننگ ہال میں دہی' پنیر' انگور' موٹی روٹی اور انار کا شربت موجود تھا۔ رات ہم نے فروٹ باسکٹ پر گذارہ کیا تھا اور صبح جو چیز بھی دستیاب ہوئی اس پر اکتفا کیا۔ انڈے کا آملیٹ مل گیا اس سے کچھ تسکین ہو گئی۔ وفد کے تمام اراکین ساڑھے چھ بجے گاڑی کے انتظار میں باہر نکل آئے۔ ٹریفک رواں دواں تھی۔ ہمارے سامنے وسل بجاتے ہوئے ایک روسی ٹینک گزرا۔ روسی فوجی اس ٹینک کو اس طرح گھما رہا تھا جیسے ٹریفک پولیس والے اپنی گاڑی کو اگارڈ آپ کی اگلی نشست پر تشریف فرما ہوں گے۔ ایک معاون وزیر جن کی ڈیوٹی ہمیں رخصت کرنے پر لگی ہوئی تھی بار بار پولیس کے سربراہ کو ٹیلیفون کر رہے تھے کہ پورا وفد ایک سیکورٹی گارڈ کے انتظار میں کھڑا ہے۔ ادھر سے جواب ملا کہ یہ گاڑی سیکورٹی گارڈ کے بغیر روانہ نہیں ہو سکتی اور سیکورٹی گارڈ نو بجے صبح آئے گا۔ انہی مسائل میں آٹھ بج گئے تھے کہ سفیر صاحب تشریف لائے۔ ہم نے ان سے گذارش کی کہ ایک گاڑی سے گذارا نہیں ہو گا۔ ممکن ہو تو دو کوچز کا انتظام کیا جائے۔ انہوں نے شفقت فرماتے ہوئے اپنے ایک اہلکار کو بھیجا اور دوسری کوچ کا اہتمام کیا۔ دوسری کوچ اور سیکورٹی گارڈ ایک ساتھ ساڑھے نو بجے صبح پہنچے اچانک انہوں نے اعلان کیا کہ دونوں گاڑیوں میں ڈیزل ڈلوانا باقی ہے۔ چنانچہ دونوں گاڑیوں کو ڈیزل کے لئے بھیج دیا گیا۔ خاصا وقت ہو گیا تھا اور گاڑیاں واپس نہ آئیں تو معلوم ہوا کہ سول وار کے دوران وفاقی دارالحکومت کے تمام پٹرول پمپ تباہ ہو چکے تھے۔ اب پٹرول اور ڈیزل خصوصی گاڑیوں میں آتا ہے اور ڈبوں میں ملتا ہے۔ وہ ڈیزل یا پٹرول خالص بھی نہیں ہوتا۔ بتایا گیا کہ سفیر محترم کی ایک مرسڈیز گاڑی جو پاکستان سے درآمد کی گئی تھی۔ ناخالص پٹرول کی وجہ سے خراب ہو گئی تھی اور اسے تاشقند تو چین کر کے مرمت کے لئے بھیجا گیا ہے۔ دونوں گاڑیاں آئیں تو ہم ہر گاڑی میں چار

چار افراد کے اعتبار سے براجمان ہو گئے- سچی بات تو یہ ہے کہ اگر راجہ ممتاز حسین راٹھور ہم سفر نہ ہوتے تو یہ سارا سفر بڑا بور گزرتا- جونہی سفر کا آغاز ہوا تو انہوں نے باآواز بلند کہا کہ خوش نصیب صاحبو یہ وہی شاہراہیں ہیں جہاں کارل مارکس' لینن' سٹالن' ٹالسٹائی جیسے عظیم انسان دوست سفر کرتے رہے ہیں- جلیس صدیقی نے جواب دیا کہ جس شاہراہ پر آج ہم سفر کر رہے ہیں یہ افغانستان کی طرف جاتی ہے اور اسے روس نے افغانستان میں نظم و نسق سنبھالنے کے لئے استعمال کیا تھا- دوشنبے شہر کی ساخت ایک پہاڑی علاقے کی چھاؤنی کی سی ہے- ایسے محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ہم نوشہرہ چھاؤنی یا کوہاٹ سے گزر رہے ہیں- شہر ختم ہوتے ہی پہاڑی سلسلہ شروع ہوا- کشادہ وادیاں' کھلے پہاڑ اور کشادہ سڑکیں- یہ وادیاں اور پہاڑ کوئٹہ شہر کی طرح ہیں- کوئٹہ کی بعض پہاڑیاں صرف پتھریلی ہیں جبکہ یہ پہاڑیاں اور وادیاں سرسبز ہیں- وادیوں میں گندم کاشت ہوتی ہے- گندم کی تازہ کٹی ہوئی فصل کے نشانات واضح تھے- جیسے ہمارے ملک میں بعض فصلیں کاٹنے کے بعد کھیتوں کی صفائی کے لئے آگ لگا دی جاتی ہے اور پھر اس راکھ کو کھاد کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے- اسی طرح یہاں بھی یہی نظام رائج ہے- پہاڑی سلسلہ شروع ہوئے ابھی ۳ کلومیٹر ہوئے تھے کہ ہماری ویگن خراب ہونا شروع ہو گئی- ڈرائیور ایک ہاتھ گیئر پر اور دوسرے ہاتھ سے گاڑی میں پانی ڈالتا جاتا تھا- گاڑی بالاخر ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی- معلوم ہوا کہ وہاں موبل آئل ہی نہیں ہے- ہم سے اگلی ویگن نے سفر جاری رکھا لہٰذا ہم دشت تنہائی کے مسافر راستے میں بھٹک گئے- کسی زمانے میں اس شاہراہ پر بھرپور ٹریفک تھی مگر اب اکا دکا گاڑی' ٹرک یا بس ہر دو تین منٹ کے بعد گزرتی تھی- ہر گاڑی رکتی اور لوگ اخلاق سے ڈرائیور سے پوچھتے- ایک گاڑی سے موبل آئل ہاتھ آگیا- اس کے ڈالنے کے باوجود گاڑی سٹارٹ نہ ہوئی اندیشہ یہی ہوا کہ انجن سیز ہو گیا ہے- پانچ دس منٹ کے بعد ایک واٹر ٹینک سے وہ سیکورٹی گارڈ جو پہلی ویگن کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا نیچے اترا- ہماری گاڑی کو ساتھ ٹوچین کیا اور یوں ہم پہاڑی سلسلہ طے کرتے ہوئے کوہ حصار کی چوٹی پر جا پہنچے- اس جگہ بابر کا بیٹا ہمایوں گورنر تھا- یہاں ایک ٹینک علاقے کی سیکورٹی کے لئے ہر وقت ٹھہرا رہتا ہے- انگوروں اور سیبوں کے باغات اس پورے راستے پر ملتے ہیں- لیکن اس مقام سے لے کر نواک گاؤں تک جو پہاڑی سلسلہ ہے وہ بلندی پر واقع ہونے کے باوجود انتہائی گرم ہے- اس شاہراہ کی تعمیر سے قبل یہاں اتنی گرمی تھی کہ دن کے وقت کوئی یہاں سے گزر بھی نہیں سکتا تھا- نواک ڈیم کی تعمیر کے بعد اب آب و ہوا تبدیل ہوئی ہے- یہاں درخت لگائے گئے ہیں اور اب یہاں پستے

کے ہزاروں درخت ملتے ہیں۔ اس سے موسم بھی بہتر ہوا ہے۔ نواک ڈیم پوری دنیا میں ایک اونچی سطح مرتفع پر واقع پہاڑی سلسلے کا سب سے بڑا ڈیم ہے۔ خوبصورت اور حسین منظر پیش کرتا ہے۔ بارہ میل کی جھیل میں سیرو تفریح کا کوئی انتظام نہیں ہے لیکن نظارہ پر کیف اور دلکش ہے۔ پاکستانی سفارت کار جاوید حسن سید ہمیں نواک ڈیم کے بارے میں اس طرح تفصیل بتا رہے تھے جیسے وہ تاجکستان کی وزارت پانی و بجلی کے افسر تعلقات عامہ ہوں۔ نواک شہر عبور کرنے کے بعد پھر پہاڑی سلسلہ ہو گیا۔ ہماری ویگن کے اکثر مسافر رات کے تھکے ہارے سو چکے تھے۔ جلیس صدیقی کے خراٹے ممتاز حسین راٹھور سن رہے تھے اور راٹھور صاحب کے خراٹے جلیس صدیقی سن رہے تھے۔ ہر دس منٹ کے بعد جاوید حسن سید ڈرائیور سے پوچھتے کہ سفر کتنا رہ گیا ہے اور وقت کتنا لگے گا۔ ساڑھے تین سو کلومیٹر فاصلے کے دونوں طرف کا ماحول اور منظر پاکستان ایسا تھا اور ہمیں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہم راولپنڈی سے چکوال جا رہے ہیں۔ ہم سہ پہر کے قریب کولاب پہنچے۔ اس وقت کانفرنس کی دوسری نشست ختم ہونے والی تھی۔ وزیر تعلیم سید خورشید احمد شاہ کی تقریر ہمارے پاس تھی۔ شاہ صاحب نے فی البدیہہ خطاب فرمایا جسے لوگوں نے پسند کیا۔ آپ نے اپنی تقریر میں کہا کہ ان کے بزرگ اسی وسط ایشیا سے سندھ آکر آباد ہوئے اور انہیں اس مٹی میں اپنے وطن کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ سب سے پہلے حضرت شاہ ہمدانؒ کی یاد میں تقریبات کا آغاز وہیں سے ہوا۔ انہوں نے وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو کی طرف سے حضرت شاہ ہمدانؒ کے مدرسے اور میوزیم کے لئے ایک ہزار ڈالر کا عطیہ دینے کا اعلان کیا۔ اس موقع پر انٹرنیشنل شاہ ہمدان ایسوسی ایشن کی طرف سے سید افضل شاہ ہمدانی نے ایک ہزار ڈالر کے عطیے کا اعلان کیا۔ کولاب' جہاں حضرت شاہ ہمدان پیر سید علی ہمدانؒ کی ابدی آرام گاہ ہے' صوبہ ختلان کا دارالخلافہ ہے۔ حضرت شاہ ہمدانؒ کے آستانہ پر ۷ ستمبر کی صبح کو چادر کشائی کی گئی تو پاکستان کے وزیر تعلیم سید خورشید احمد شاہ کے علاوہ تاجکستان کے وزیراعظم اور ڈپٹی عبدالجید دوستی' ایرانی سفیر اور ایرانی وزیر ثقافت بھی اس موقع پر موجود تھے۔ اس وقت حضرت شاہ ہمدانؒ کی درگاہ پر ایک لاکھ سے زائد انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجود تھا جس سے وزیر تعلیم سید خورشید علی شاہ اور ان کی بیگم صاحبہ بے حد خوش ہوئے کہ اس قدر انسانوں کا ہجوم تو پاکستانی درگاہوں پر کم ہی ہوتا ہے۔ بہرحال چادر کشائی کے بعد شاہ ہمدان میوزیم میں وزیر تعلیم نے میئر کولاب کو مزار کے لئے ہدیہ پیش کیا تو تابانی گروپ کے نمائندے غازیانی نے قرآن پاک کا نسخہ اور وزیراعظم پاکستان کی

تصویر پیش کی۔

دو شنبے میں جشن استقلال تاجکستان سے خطاب کرتے ہوئے صدر تاجکستان امام علی رحمانوف نے حضرت شاہ ہمدانؒ کو اسلامی دنیا کے درخشندہ ستارے سے منسوب کیا جس کی روحانی روشنی سے تاجکستان کی سرزمین پر نور ہے اور تاجک عوام سے اس عظیم روحانی پیشوا کی پیروی اور روحانی برکات سے بہرہ ور ہونے کی تلقین کی۔ اس نشست کے بعد کانفرنس کی تین مختلف نشستیں ہوئیں۔ ایک نشست میں ادب دوسری میں تاریخ اور تیسری میں ثقافت کے حوالے سے حضرت شاہ ہمدانؒ کی ذات پاک اور خدمات کے حوالے سے مقالے پڑھے گئے۔ یہاں میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ انٹرنیشنل شاہ ہمدان کانفرنس کا افتتاحی اجلاس دو شنبے میں ہوا تھا۔ دو شنبے میں کانفرنس کی صدارت تاجکستان کے صدر امام علی رحمانوف نے کی۔ افتتاحی اجلاس میں ازبکستان، ایران، افغانستان کے سفیروں، تاجکستان کے ممتاز دانشور جو امریکہ، پیرس اور لندن سے آئے ہوئے تھے، نے خطاب کیا۔ عالمی شہرت یافتہ سکالر پروفیسر ڈاکٹر احمد حسن دانی نے بھی اس موقع پر خطاب کیا۔ تاجکستان کے صدر امام علی رحمانوف نے اپنے خطاب میں کہا کہ وسط ایشیا میں اسلامی ثقافت کے حوالے سے یہ پہلی تقریب ہے۔ انہوں نے حضرت شاہ ہمدانؒ کو مسلمانان ایشیا کا عظیم ہیرو قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ حضرت شاہ ہمدانؒ نے اسلام کی شمع روشن کی اور تمام وسط ایشیا، پاکستان کے شمالی علاقہ جات اور کشمیر کے عوام ان کے فیض سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ کانفرنس میں پاکستانی وفد میں شامل پاکستان پیپلز پارٹی کے ممتاز رہنما ممتاز حسین راٹھور نے وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو کا پیغام پڑھ کر سنایا جس میں انہوں نے کہا کہ تبلیغ اسلام کے لئے صوفیا کرام کی خدمات مینارہ نور ہیں۔ انسانوں کو قریب لانے کے لئے اور ان میں محبت کے جذبات پیدا کرنے کے لئے اور نفرتیں ختم کرنے کے لئے حضرت شاہ ہمدانؒ کے پیغام کو مشعل راہ بنایا جائے۔ یہ بات یاد رہے کہ جب یہ قافلہ دو شنبے سے کولاب روانہ ہوا تو راستے کے تمام قصبوں اور شہروں میں اس کارواں کا تاریخی استقبال کیا گیا۔ خاص کر قصبہ ڈنگر جہاں پر تاجکستان کے صدر امام علی رحمانوف ایک سرکاری فارم پر بطور ڈائریکٹر فائز رہے تھے اور ان کا آبائی قصبہ بھی یہی ہے۔ تاجکستان کے صحافی مجھے بتا رہے تھے کہ یہ استقبال آج تک کسی غیرملکی سربراہ کو بھی نصیب نہیں ہوا۔ ہر جگہ اور ہر مقام پر شہر کے زن و مرد ہاتھوں میں گلدستے اور پھولوں کے ہار لئے استقبال کے لئے تیار تھے۔ جونہی قافلہ وہاں پہنچتا وہ والہانہ رقص کرتے، ہر جگہ نمک اور روایتی روٹی مہمانداری کے طور پر پیش ہوتی۔ اس بھنگڑے اور

لڈی نما ناچ میں پروفیسر ڈاکٹر احمد حسن دانی سمیت بہت سے دانشور شریک ہوئے۔ لطیفہ یہ ہوا کہ اگلے روز ڈاکٹر دانی کو اس ثقافتی رقص میں شرکت بھول گئی اور وہ مجھ سے کہنے لگے کہ غضنفر مہدی میرے پاؤں میں موچ آگئی ہے۔ کسی ڈاکٹر کو دکھانا چاہئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انہیں شاید "گاؤٹ" کی تکلیف ہو رہی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ قبلہ آپ کی عمر ۷۵ برس ہے۔ گذشتہ روز آپ نے ثقافتی رقص میں شرکت فرمائی تھی اس وقت تو لہو گرم ہو گیا تھا اور آپ کو محسوس نہیں ہوا۔ یہ اسی کا درد ہے۔ اس والہانہ استقبال میں عظمت اسلام کا اعتراف بھی تھا اور عالم اسلام سے عقیدت و محبت کا فقید المثال مظاہرہ بھی۔ آزادی کا سورج طلوع ہونے کے بعد یہ پہلی اسلامی تقریب تھی جس میں تاجکستان کی ثقافت کا بھرپور مظاہرہ تھا۔ کم از کم ایک ہزار مقامات پر حضرت شاہ ہمدانؒ کی قد آدم تصاویر آویزاں تھیں۔ بینر اور خیر مقدمی نعرے لکھے ہوئے تھے۔ راستے کی تمام عمارات انہی نعروں سے لبریز تھیں۔ کولاب کے لوگ انتہائی مہمان نواز ہیں اور وہ حضرت شاہ ہمدانؒ کانفرنس کے مندوبین کو اپنے گھروں میں لے گئے۔ سید خورشید احمد شاہ بھی اپنی اہلیہ محترمہ کے ہمراہ مختلف گھروں میں گئے اور اہل کولاب کی مہمان نوازی سے بڑے متاثر ہوئے۔ میں کولاب ہوٹل پہنچا تو میرا کمرہ چوتھے فلور پر تھا۔ میں نے ڈاکٹر آغا حسین ہمدانی سے کہا کہ میرا کمرہ پہلے فلور پر تبدیل کروا دیں۔ تاجک انتظامیہ وفد کے عام رکن کی بات سننے کے لئے تیار نہ تھی۔ انہیں ہدایت یہ تھی کہ وفد کے قائد جو ارشاد فرمائیں اس کی تائید کی جائے۔ چنانچہ میں ڈاکٹر دانی کے کمرہ میں آیا اور ان کی ہدایت پر میرا کمرہ تبدیل کر دیا گیا۔ ڈاکٹر دانی نے مجھے بتایا کہ ابھی ابھی ریڈیو پاکستان سے خبر آئی ہے کہ پنجاب کی حکومت کو معطل کر دیا گیا ہے۔ ریڈیو پاکستان کی نشریات ٹھیک ٹھاک اور صاف و شفاف سنائی دیتی تھیں۔ ریڈیو پاکستان کی موسیقی تاجکستان کے عوام خصوصی طور پر پسند کرتے ہیں۔ فارسی نشریات بھی سنی جاتی تھیں۔ وسط ایشیا کی تمام ریاستوں میں خواتین زیادہ کام کرتی ہیں۔ مرد ان کے مقابلے میں سست اور کم کام کرنے والے واقع ہوئے ہیں۔ تاجکستان کی خواتین کی ۶۵٪ آبادی ملازم پیشہ ہے۔ دفتروں، ہوٹلوں، ریستورانوں سے لے کر ہر اہم عہدے پر خاتون نظر آئے گی۔ تاجکستان کے زن و مرد پاکستان کو بڑا پسند کرتے ہیں۔ انہیں خوف یہ بٹھا دیا گیا ہے کہ پاکستان بنیاد پرست مولویوں کا علاقہ ہے۔ اگر پاکستانی یہاں آئے تو خواتین کا سلسلہ روزگار بند ہو جائے گا۔ خواتین چادر اور چاردیواری میں قید ہو جائیں گی۔ عالمی کانفرنس کے ایک مندوب نے مجھے کہا کہ مہدی صاحب شاہ ہمدان کانفرنس کے کسی سیشن میں ابتدا تلاوت کلام الٰہی سے نہیں کی گئی اور نہ ہی نعت

شریف پیش کی گئی۔ میں نے کہا کہ اس میں ہمارا قصور بھی ہے اگر ایک دن پہلے پہنچ جاتے اور ان بیچاروں کو بتا دیتے تو انہیں کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ تاجکستان کے عوام کی کمزوری یہ ہے کہ انہیں کوئی مشورہ دیا جائے تو مان لیتے ہیں اور اگر انہیں کہا جائے کہ آپ سے غلطی ہو گئی ہے تو وہ اسے برا محسوس کرتے ہیں۔ میں نے اپنے اس دوست سے عرض کی کہ وہ خدا خدا کر کے ان موضوعات کی طرف آئے ہیں۔ آپ ان سے پیار سے بات کریں اور تنقید نہ کریں۔ اسی طرح جب شاہ ہمدانؒ کے روضہ مبارک پر گئے تو درگاہ پر لکھے ہوئے کلمے کے اعراب غلط تھے۔ درگاہ پر ہجوم عاشقاں کے بعد تنہائی میں بھی میں درگاہ پر حاضری دینے کے لئے ڈاکٹر آغا حسین ہمدانی کے ہمراہ گیا۔ بڑے سکون سے حاضری دی۔ ہمارے ہاں درگاہ کے متولی کو سجادہ نشین یا گدی نشین کہا جاتا ہے۔ روسی نظام میں گدی نشین یا سجادہ نشین کو اس مزار کا ڈائریکٹر جنرل کہا جاتا ہے۔ خیر اللہ درگاہ حضرت شاہ ہمدانؒ کے سجادہ نشین ہیں۔ حکومت تاجکستان کے نزدیک ان کا عہدہ ڈائریکٹر جنرل کے برابر ہے۔ تاجکستان میں اوقاف کا محکمہ نہیں ہے۔ لہٰذا وہی متولی یا سجادہ نشین درگاہ کا نظم و نسق سنبھالتا ہے۔ حضرت شاہ ہمدانؒ کی درگاہ کے ساتھ ان کا میوزیم بھی ہے۔ میوزیم میں حضرت شاہ ہمدانؒ سے متعلق تمام نوادرات، کتب، ملبوسات اور اس عہد کی تمام اشیاء رکھی گئی ہیں۔ ایک اور ہال میں تاجکستان کی ثقافت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ خیر اللہ پہلے بھی پاکستان کے دورے پر آ چکے ہیں۔ انہوں نے وہاں پر موجود لوگوں سے ہمارا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ وہ شخصیات ہیں جن کے طفیل حضرت شاہ ہمدانؒ کا علمی ادبی مقام دنیا پر واضح ہوا ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ حضرت شاہ ہمدانؒ کی جو تصویر آج ہر جگہ آویزاں ہے یہ ہمیں پاکستان سے ڈاکٹر آغا حسین ہمدانی نے ارسال کی تھی۔ ان کی البم میں پاکستان میں ہونے والی حضرت شاہ ہمدان کانفرنسوں، سیمیناروں اور ادبی تقریبات کی تصاویر بھی موجود تھیں۔ جب ہم میوزیم دیکھنے کے بعد باہر نکلے تو ایک مولانا صاحب، جن کا نام میں نہیں لیتا، مجھ سے مخاطب ہوئے کہ آپ انہیں فرمائیں کہ یہ کلمہ صحیح لکھا جائے۔ خیر اللہ نے کہا کہ ہمارے ہاں عربی شناس احباب کی ابھی کمی ہے۔ اور ابتداء میں ایسے مسائل ابھریں گے۔ لیکن یہ دانستہ غلطی نہیں ہے۔ خیر اللہ ہمیں اپنی بس پر کولاب ہوٹل لے آئے۔ جیسے ہی ہم بس سے اترے تو دیکھا کہ خورشید احمد شاہ خراماں خراماں تشریف لا رہے ہیں۔ ائرپورٹ سے ان کا یہ طریقہ قیادت مجھے نہایت ہی پسند آیا کہ وہ وفد کے ہر رکن کے پاس جاتے تھے۔ اس کا حال پوچھتے، تکلیف معلوم کرتے اس سے سفر کی تھکان دور ہو جاتی۔ چنانچہ وہ پاکستانی وفد کے ہر کمرے میں ملنے کے لئے گئے۔ پروفیسر ڈاکٹر احمد حسن دانی

تعمیر ہندوستان کی تعمیراتی کمپنی ٹاٹا نے حال ہی میں مکمل کی ہے اس لئے عام لوگ اسے ٹاٹا ہوٹل بھی کہتے تھے۔ بعض احباب تو شہر نوردی کے لئے باہر نکل گئے جبکہ میں اور راجہ ممتاز راٹھور ہوٹل میں رہے۔ ہوٹل کا عملہ انتہائی منکسر المزاج تھا وہ ہمارے سوالات کا جواب خندہ پیشانی سے دیتے تھے۔ ہوٹل کے کمرے کشادہ اور انتظام صحیح تھا۔ پاکستانی ہوٹلوں کی طرح یہاں بھی ناشتہ مفت ملنے کا اعلان تھا۔ مجھ میں ایک بری عادت ہے کہ آج تک میری صبح کی نماز قضا نہیں ہوئی۔ نماز پڑھی اور پھر ریستوران گیا تو مجھ سے پہلے ہندوستان کا ایک مسلمان جوڑا براجمان تھا۔ پھر نمسکار کی صدائیں آنا شروع ہو گئیں۔ وہاں اکثریت ہندوستان والوں کی ٹھہری ہوئی تھی۔ ناشتہ پاکستانی اور ہندوستانی انداز سے تھا۔ بڑے دنوں کے بعد اپنے علاقے کا ناشتہ ملا تھا۔ واپس آئے تو افتخار احمد نے رہبری کرتے ہوئے سید خورشید احمد شاہ سے درخواست کی کہ وہ ثمرقند اپنی اہلیہ محترمہ کے ہمراہ تشریف لے جائیں اور باقی احباب کو تاشقند دیکھنے کی اجازت دی جائے۔ سید خورشید احمد شاہ اچھے میر کارواں ہیں۔ انہوں نے پاکستانی سفیر شفقت علی شیخ کو ہدایت کی کہ میرے کارواں کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ شاہ صاحب' ان کی اہلیہ اور مانگریو صاحب ثمرقند کے لئے روانہ ہوئے جبکہ باقی تمام قافلہ شہر گردی کے لئے روانہ ہوا۔ ہمیں جناب آفتاب نے ایک عوامی مرکز جس کا نام گم تھا' میں چھوڑ دیا۔ اور فرمایا کہ آپ سارا دن یہاں گھوم پھر کر واپس آ جائیں۔ اس عوامی مرکز میں دنیا جہان کی اشیاء موجود تھیں۔ عجیب بات یہ تھی کہ پاکستان کے بنے ہوئے اوور کوٹ وہاں سستے داموں فروخت ہو رہے تھے۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو مجھے جناب افتخار احمد نے بتایا کہ چونکہ یہاں مارکیٹ میں مقابلہ ہوتا ہے۔ اس لئے ہمارے تاجروں کو بعض اوقات ملک کے لئے نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ ہمارا قافلہ جوڑیوں میں بٹ گیا۔ میری جوڑی راٹھور صاحب کے ساتھ بن گئی۔ میرا کنبہ چھوٹا سا تھا میں نے ہر ایک کے نام پر ایک ایک تحفہ لیا اور فارغ ہو گیا۔ راٹھور صاحب کے لئے مشکل ہو گئی کیونکہ ان کا کنبہ خاصہ وسیع ہے خداوند کریم اسے مزید وسعت دے۔ دوپہر کے قریب ہم اس عوامی مرکز سے باہر نکلے تو ہر طرف خوبصورت باغات اور عوامی ریستوران موجود تھے۔ ہمیں ایک ریستوران میں پاکستانی کھانا یعنی کباب اور چاول مل گئے۔ ہم سب نے سیر حاصل کھانا کھایا اور پھر ہم واپس ہوٹل کی طرف روانہ ہوئے۔ تاشقند کا ٹریفک نظام اتنا بہترین ہے کہ نہ دھواں اور نہ کسی سڑک پر رش ہے۔ آپ کی مرضی ہے کہ آپ ویگن پر جائیں یا ٹرین یا ٹرام پر۔ ایک مخصوص منزل تک آپ بس یا ویگن کے سفر سے اکتا گئے ہیں تو آپ اسی ٹکٹ پر زیر زمین ٹرین یا ٹرام پر سفر جاری رکھ سکتے ہیں۔ یہ اتنی

روانہ ہونا تھا لیکن تاخیر سے ساڑھے نو بجے روانہ ہوا۔ گورنر کولاب موسیٰ سلیم اور میئر کولاب قیمت گل رستم اونے ہمیں رخصت کیا۔ کارواں کی پہلی گاڑی میں تاجکستان کے نائب وزیرا کے ساتھ آزاد جموں کشمیر کونسل کے مشیر اور پی پی پی کے رہنما حمید مفتی خوشگوار موڈ میں تھے۔ انہوں نے ایک معجزہ سنایا وہ یہ کہ جب وہ کولاب پہنچے تو ان کی ریڑھ کی ہڈی میں اتنا شدید درد ہوا کہ چیخیں نکل گئیں۔ وہ کافی عرصے سے بیمار ہیں لیکن بیماری کا کبھی خیال نہیں رکھا۔ ان کے گھٹنوں میں سوجن آگئی تھی اور وہ اس کا لندن تک علاج کرا آئے تھے۔ مگر علاج سود مند ثابت نہ ہوا۔ چنانچہ جب کولاب میں بیماری نے حملہ کیا تو انہیں کولاب کے ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ حمید مفتی کہتے ہیں کہ جوں ہی وہ داخل ہوئے اور بستر پر لیٹے تو ان کے تمام جسم پر جڑی بوٹیوں کے پتوں کا پلستر کر دیا گیا اور قہوہ نما شربت ہر آدھ گھنٹے کے بعد پلاتے رہے۔ تین بجے اور رات نو بجے دوبارہ لیپ کیا گیا۔ رات اچھی نیند آئی۔ صبح اٹھا تو نہ درد ہے نہ سوجن ہے نہ ورم ہے۔ ریڑھ کی ہڈی بھی ٹھیک ہے۔ گھٹنے اور جوڑوں کا درد بھی ٹھیک ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے میں کبھی بیمار ہوا ہی نہیں تھا۔ اب سارا راستہ ان کی بیماری اور صحت یابی موضوع گفتگو رہی۔ روسی نظام طب کی تعریف ہوتی رہی اور اکثریت کی رائے یہ تھی کہ جڑی بوٹیوں کا علاج ایلوپیتھی وغیرہ سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ گپ شپ میں ہمیں وقت کا احساس ہی نہیں ہوا اور ہم کافر نہاں مقام تک پہنچے۔ یہاں حال ہی میں گھمسان کا رن پڑا تھا۔ آباد علاقہ تھا۔ سیبوں کے درخت میلوں تک پھیلے ہوئے تھے اور انگوروں کی بیلیں بھی میلوں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ پہاڑی سلسلہ ختم ہوا تو دوشنبے شہر شروع ہو گیا۔ ڈرائیور اس انداز سے ہوٹل لایا کہ پورے شہر کی سیر ہو گئی۔ صاف ستھرا شہر لاہور کی طرح گلیاں مگر سڑکیں بہت زیادہ کشادہ، ٹریفک کا رش نہیں۔ ہم اطمینان سے اڑھائی بجے سہ پہر ہوٹل پہنچے۔ ہاتھ منہ دھویا دوپہر کا کھانا کھایا۔ چکن اور تازہ فروٹ پر گزارہ کیا۔ انہوں نے خصوصی طور پر ہمارے لئے سیاہ چائے کا اہتمام بھی کیا ہوا تھا۔ سید خورشید احمد شاہ، ڈاکٹر دانی، ڈاکٹر ہمدانی اور راقم الحروف ڈاچے (ریسٹ ہاؤس) پہنچے۔ چار بجے شام باقی کارواں ازبکستان ہوٹل سے اور سید خورشید احمد شاہ اور ہم ڈاچے سے دوشنبے ائرپورٹ کے وی آئی پی لاؤنج پہنچے۔ جبکہ وفد کے دس ارکان ڈاکٹر دانی کی قیادت میں تاجکستان کے قومی دن "جشن آزادی" میں شمولیت کے لئے وہیں دوشنبے میں رک گئے۔ ہمارے پہنچتے ہی سفیر صاحب نے بتایا کہ فلائٹ جو (Khujand) خجند جائے گی۔ ایک گھنٹہ لیٹ ہے۔ جب ایک گھنٹہ گزر گیا تو معلوم ہوا کہ مزید ایک گھنٹہ لیٹ ہے۔ کیونکہ گورنر خجند اسی جہاز سے جائیں

گے۔ اللہ اللہ کر کے چھ بجے تیاری کا نقارہ بجا۔ ہمیں جہاز میں پہلے بٹھا دیا گیا۔ فوکر طیارہ تھا۔ پہلی وی آئی پی سیٹیں آمنے سامنے تھیں۔ ان پر سید خورشید احمد شاہ اور ان کی اہلیہ محترمہ اور ان کے سامنے مانگریو اور محمد اسلم بیٹھ گئے۔ ان کی پچھلی نشست پر راجہ ممتاز حسین راٹھور اور ان کی عقبی نشست پر ہم دراز ہو گئے۔ راٹھور کے ساتھ والی اور میرے ساتھ والی نشست خالی تھی۔ طیارہ کے باہر رش لگا ہوا تھا طیارے میں ۸۰ نشستوں کا اہتمام تھا اور ہجوم یک صد کے قریب تھا۔ پاکستانی سینما گھر یا بس اڈے کا منظر تھا۔ تاجک ائر لائنز اشارے سے سواریوں کو اندر آنے کی اجازت دے رہا تھا۔ ایک خاتون تیزی سے آئی اور اپنا کمسن بچہ میرے ساتھ والی خالی نشست پر اور اپنا پرس اگلی نشست پر چھوڑ کر یعنی دو نشستیں بلاک کر کے چلی گئی۔ جب وہ واپس آئی تو اس کے ساتھ ایک اور خاتون بھی تھی وہ دونوں ان نشستوں پر بیٹھ گئیں بعد میں معلوم ہوا کہ ساتھ آنے والی خاتون اس کی خالہ تھی۔ ہم نے پیشکش کی کہ آپ دونوں ساتھ ساتھ بیٹھ جائیں۔ انہوں نے کہا کہ کھڑکی سے ڈر لگتا ہے۔ اتنی دیر میں طیارے کے وہ تمام مسافر جو نشست اور ٹکٹ کے حصول میں کامیاب ہو گئے تھے اپنی نشستوں پر آ کر بیٹھ گئے۔ اس خاتون کے بچے کو دیکھ کر مجھے اپنے بیٹے علی مہدی کی یاد آئی کہ جس طرح وہ شرارتیں کر کے مسافروں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا لیتا ہے اسی طرح اس بچے نے بھی تمام مسافروں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی اور تمام اس سے پیار کرنے لگے۔ اس خاتون نے اپنے بچے کی نگہداشت کرنے پر بڑے اخلاق سے ہمارا شکریہ ادا کیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے اور کہاں جانا ہے۔ تو اس کا جواب اس نے روسی زبان میں دیا جو ہمارے سر سے گزر گیا۔ اچھا شخص وہ ہوتا ہے جو نہ سمجھتے ہوئے بھی ایسا محسوس ہونے دے کہ اسے سب کچھ سمجھ آ رہا ہے۔ یہی کیفیت ہماری تھی۔ وہ دونوں کواتین آپس میں بھی گفتگو کرتیں اور ہم سے بھی سوالات کرتیں اور ہم جواب میں ایسے مسکرا دیتے جیسے ہمیں سب کچھ سمجھ آ رہا ہے۔ لیکن ان کی گفتگو اور اشاروں سے ہمیں جو سمجھ آیا اس کے مطابق موصوفہ کا نام دلبر تھا اور اس کا میاں پائلٹ اور دوسری کا میاں بریگیڈیر تھا۔ میں نے راٹھور صاحب سے پوچھا کہ حضور والا آپ کو کچھ سمجھ آ رہی ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ میں آپ کے فارمولے پر عمل کر رہا ہوں۔ پاکستان کو وہ باکستان بولتی تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ ان کی ایک رشتہ دار پاکستان میں تعلیم حاصل کرنے گئی تھی جو اب واپس آ گئی ہے۔ لیکن یہ سمجھاتے ہوئے انہوں نے اپنی لغت اور ٹوٹی پھوٹی انگریزی کے سارے الفاظ صرف کر دیئے۔ اتنی گفتگو میں ۳۵ منٹ کا سفر کٹ گیا اور پائلٹ نے اعلان کیا کہ ابھی ہم

مجند ائرپورٹ پر اترنے والے ہیں۔ نجند کے باہر بھی ایک ڈیم تھا جو بالکل راول ڈیم کی طرح دکھائی دیتا تھا اور پہاڑیاں بھی اسلام آباد جیسی تھیں۔ نجند ائرپورٹ پر اترے تو شام ہو چکی تھی ہم وی آئی پی لاؤنج پہنچے تو جاوید کے ایک نیم سفارتکار دوست پہنچے ہوئے تھے۔ وی آئی پی لاؤنج سے روانہ ہوئے تو شام سیاہ فام ہوتی جا رہی تھی لیکن جن دو چار سڑکوں سے گزرے ان سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نجند سکھر جیسا شہر ہے۔ جاوید نے ہمیں کہا کہ پہلے آپ کھانا کھالیں کیونکہ تاشقند میں دس بجے ریستوران بند ہو جاتے ہیں اور وہاں آپ کو کھانا نہیں ملے گا۔ وہ ہمیں نجند ریستوران لائے۔ پورے وسط ایشیا میں ہر صوبائی دارالحکومت میں ایک سرکاری ہوٹل ہوتا ہے۔ اس ہوٹل کا انتظام ناقص تھا کیونکہ باتھ روم وغیرہ کی مرمت ہو رہی تھی۔ البتہ کھانا اچھا تھا۔ راجہ ممتاز راٹھور، مظہرالاسلام، افتخار احمد سمیت ہم سب دوست باہر جا بیٹھے جبکہ سید خورشید احمد شاہ نے اپنی اہلیہ کے ہمراہ اندر علیحدہ کھانا کھایا۔ سجدہ شکر ادا کرنے کے بعد ہم نجند سے ثمرقند کی طرف روانہ ہوئے۔ دریائے سندھ سے چھوٹا دریا عبور کیا۔ وسط ایشیا کی تمام شاہرائیں کشادہ ہیں اور ٹریفک میں ڈسپلن اور آسانی ہوتی ہے اس لئے ڈرائیور کم سے کم رفتار بھی ۱۵۰ کلومیٹر تک لے جاتا ہے۔ جبکہ عمومی رفتار ۱۸۰ سے ۲۰۰ کلومیٹر تک ہوتی ہے۔ اب گاڑی میں بیت بازی شروع ہو گئی۔ راجہ ممتاز راٹھور نے اپنی یادوں کے قصے پر لطف انداز میں سنائے اور ابھی کہانیاں جاری تھیں کہ ہم سرحد تک پہنچ گئے۔ نجند سے سرحد کا سفر دو گھنٹے کا تھا۔ سرحد پر ازبکستان میں پاکستان کے سفیر کی مرسڈیز گاڑی اور ایک ائرکنڈیشنر ویگن ہماری منتظر تھی۔ پاکستانی سفارت خانے کے ایک خوبصورت سفارت کار احمد علی خان جن کا تعلق مانسہرہ سے ہے' نے ہمارا استقبال کیا۔ انہیں مرسڈیز چلانے کا شوق تھا لہٰذا انہوں نے ڈرائیور کی سیٹ خود سنبھالی اور مانگریو ان کے ساتھ بیٹھ گئے اور پچھلی نشستوں پر خورشید احمد شاہ اور ان کی اہلیہ بیٹھ گئیں۔ ڈرائیور ہمارے ساتھ ویگن میں آ بیٹھا اور روایتی پاکستانی ڈرائیور کی طرح اس نے کہا کہ ہمارے خان صاحب کو گاڑی چلانے کا بڑا شوق ہے۔ ڈرائیور ہمارے لئے پہلا گائیڈ ثابت ہوا۔ جس نے ہمیں تاشقند، ثمرقند اور بخارا کے بارے میں موقع پر ہی اہم معلومات مہیا کیں۔ آٹھ پوچھنے والے اور ایک جواب دینے والا تھا وہ بیچارہ بولتے بولتے تھک جاتا تھا۔ تمام راستے کے دونوں طرف خوشگوار بستیاں تھیں۔ علاقہ آباد اور خوبصورت ہے۔ تاجکستان کے برعکس یہاں رات گئے تک دکانیں ریستوران کھلے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ہم ساڑھے دس بجے رات کے قریب تاشقند پہنچے تو پاکستانی سفارت خانے والوں نے ہمارا انتظام نیو ازبکستان ہوٹل میں کیا۔ اس ہوٹل کی

تھکے ہارے آرام کر رہے تھے۔ میر عبدالعزیز، آغا حسین ہمدانی، پروفیسر ڈاکٹر ریاض احمد اور عبدالصمد وانی عشائیے کی تیاری میں مصروف تھے۔ راجہ ممتاز حسین راٹھور کے کمرے میں گئے تو وہ مغرب کی نماز پڑھنے میں مصروف تھے۔ سید خورشید احمد شاہ نے ان سے پوچھا کہ راجہ صاحب آپ دعا کیا مانگتے ہیں۔ جملہ بازی میں راٹھور صاحب کا کوئی ثانی نہیں انہوں نے برجستہ کہا کہ درویش کی نگری میں آئے ہیں اور فقیروں کے دل کے راز سے وہ واقف ہیں۔ اسی گپ شپ میں عشائیے کا وقت ہو گیا اور تمام مندوبین عشائیے کے ہال کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ آخری عشائیہ کولاب کی میئر محترمہ قیمت گل رستم او کی طرف سے دیا گیا تھا۔ سٹیج مزین تھا۔ تاجکستان کے نائب سپیکر، نائب وزیراعظم اور گورنر ختلان کے ساتھ والی میز پر پاکستانی وفد کو جگہ دی گئی۔ اسی طرح ہر میز پر تمام ممالک کے وفود بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے اور تاجکستان کے کھانے میں تھوڑی سی مماثلت تھی۔ اس کی وضاحت اس طرح سے ہو سکتی ہے کہ سوپ اور سلاد چینی انداز کا، چکن مٹن مصالحہ اور شیرینی پاکستانی انداز کی تھی۔ عشائیے کی ابتداء موسیقی کی محفل سے ہوئی جس میں فنکاروں نے تاجکستان کا عارفانہ کلام خوبصورت انداز میں پیش کیا۔ لوک رقص کا مظاہرہ ہوا۔ آخر میں میئر نے مندوبین سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اگر مہمان نوازی میں کوئی غفلت ہو گئی ہو تو ہم معذرت چاہتے ہیں۔ وفد کے سربراہوں کو انہوں نے جائے نماز جتنا غالیچہ جس پر حضرت شاہ ہمدانؒ کی تصویر بنی ہوئی تھی پیش کیا اور ہر مندوب کو تاجکستان کا ایک ٹی سیٹ پیش کیا گیا۔ دس بجے ہم واپس ہوٹل پہنچے۔ موسم خاصا خوشگوار تھا۔ افتخار احمد، مظہر الاسلام، جلیس صدیقی، چھوٹے افتخار احمد اور بندہ ہوٹل کے باہر ایک باغیچے کی دیوار پر بیٹھے گپ شپ کرتے رہے۔ گیارہ بجے گپ شپ ختم ہوئی۔ میں اپنے کمرے میں آیا تو جلیس صدیقی صاحب بھی تشریف لائے۔ پھر قہوے کا ایک دور چلا۔ اس ہوٹل کے باتھ روم بھی اتنے تنگ تھے کہ جیسے آپ بیسن کے نلکے سے غسل کا اہتمام کرتے ہیں۔ صبح ناشتہ اچھا مل گیا۔ ہمارا قافلہ آٹھ بجے روانہ ہونا تھا لیکن تاخیر سے ساڑھے نو بجے روانہ ہوا۔ گورنر کولاب موسیٰ سلیم اور میئر کولاب قیمت گل رستم او نے ہمیں رخصت کیا۔ کارواں کی پہلی گاڑی میں تاجکستان کے نائب وزیر اوٹے افتخار احمد اور بندہ ہوٹل کے باہر ایک باغیچے کی دیوار پر بیٹھے گپ شپ کرتے رہے۔ گیارہ بجے گپ شپ ختم ہوئی۔ میں اپنے کمرے میں آیا تو جلیس صدیقی صاحب بھی تشریف لائے۔ پھر قہوے کا ایک دور چلا۔ اس ہوٹل کے باتھ روم بھی اتنے تنگ تھے کہ جیسے آپ بیسن کے نلکے سے غسل کا اہتمام کرتے ہیں۔ صبح ناشتہ اچھا مل گیا۔ ہمارا قافلہ آٹھ بجے

بڑی سہولت ہے کہ کہیں ایک جگہ بھی ہمیں بھیڑ بھاڑ کا منظر دکھائی نہیں دیا۔ البتہ چار پانچ مقامات پر ہمیں چند مقامی لوگ ڈالر ڈالر کرتے ہوئے ملے جو ہم سے ڈالر مہنگی قیمت پر خریدنا چاہتے تھے۔ ثمرقند میں ڈالر کا سرکاری نرخ ۳۴ سم تھا جبکہ بلیک کا نرخ ۳۷ سم تھا۔ عوام کے دلوں میں پاکستان اور پاکستانیوں کے لئے محبت کا جذبہ دکھائی دیتا تھا۔ ہم نے پیدل سفر بھی کیا اور شام پانچ بجے کے قریب اپنے ہوٹل واپس آ گئے۔ خداوند کریم کا لاکھ شکر ہے کہ اس ہوٹل میں نہ کوئی نائٹ کلب تھا اور نہ ہی بازار مصر اور حسینان جہاں کی ریل پیل تھی۔ یوں سمجھئے کہ ہالیڈے ان اسلام آباد کا ماحول تھا۔ لیکن ہمارے ساتھ چند سو گز کے فاصلے پر ازبکستان کی فلک شگاف عمارت تھی جس کے بارہ سو کمرے ہیں۔ اس ہوٹل کے تہہ خانے میں نائٹ کلب تھے جبکہ فلور نمبر ۱۶ اور ۱۷ پر یورپ کا سماں دکھائی دیتا ہے۔ یہ صرف ازبکستان کے ہوٹل کی بات نہیں۔ ثمرقند' چہار سو اور اس قسم کے بیسیوں ہوٹلوں کی شامیں آباد ہوتی ہیں۔ ناچ گانے کو معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ تاشقند لندن اور سنگاپور کے درمیان سیاحوں کا بہت بڑا مرکز بن چکا ہے۔ یہاں سینکڑوں یورپی باشندے سیر و سیاحت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ عشائیہ پاکستانی سفیر نے اپنی رہائش گاہ ڈاچے میں دیا۔ دراصل یہ کھانا انہوں نے دیا نہیں بلکہ ہم نے خود لیا۔ ہم وسط ایشیا کی ضیافتوں سے بوجھل ہو گئے تھے۔ ہم نے خود پاکستانی سفیر سے استدعا کی کہ ہمیں پاکستانی عشائیہ کروائیں۔ ان کے والد محترم اور پاکستان سٹریٹجک سٹڈیز کے میجر جنرل اکبر علی بھی ان کی رہائش گاہ پر مقیم تھے۔ اس کھانے کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ ہم سب نے ان کی اہلیہ محترمہ کا شکریہ ادا کیا۔ دوسری صبح ہم مسجد امام جامی دیکھنے گئے جہاں ایک خوبصورت میوزیم اور مسجد بھی ہے۔ جہاں پانچ وقت نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے۔ روسی عہد میں اس کو بنیاد پرستوں کا محلّہ کہا جاتا تھا۔ اور اس پر بڑی پابندیاں تھیں۔ میوزیم میں حضرت عثمان غنیؓ کے ہاتھوں کا تحریر کردہ قرآن پاک کا نسخہ موجود تھا۔ مسجد کے مولوی صاحب کا لباس خالصتاً" ایرانی تھا لیکن وہ خود حنفی العقیدہ مسلمان تھے۔ یہاں سے دوپہر کے کھانے کے بغیر ہمیں ائرپورٹ جانا پڑا۔ کیونکہ مانگریو نے مولوی صاحب کے پیچھے باجماعت نماز کے لئے نیت باندھ لی۔ ہم نے سمجھا کہ وہ ہمارے سارے گناہ بخشوانے کے لئے خداوند کریم کی بارگاہ میں موجود ہیں تو ہم سب کو ظہرانہ قربان کر دینا چاہئے۔ دراصل ماجرا یہ تھا کہ اس دن ہم حقیقی عوامی مرکز سم جا پہنچے تھے۔ یہ گم کے مقابلے میں چار گنا زیادہ بڑا مرکز تھا اور چیزیں بھی سستی تھیں۔ ہمارے پاس جتنی دمڑیاں تھیں وہ ہم نے یہاں خرچ کر دیں۔ مجھے خواتین کی خریداری کی زیادہ پہچان نہیں ہے اس اعتبار سے ایک کوتاہی

ہوئی۔ میں نے ایک سٹال پر نفیس ریشمی کپڑا دیکھا تو انہوں نے کہا کہ یہ کم خواب ہے جو کہ وسط ایشیا کا سب سے زیادہ مقبول کپڑا ہے۔ ہم نے پورا تھان لے لیا لیکن وہ کپڑا نہ ہی ہماری بیگم کو اور نہ ہماری بہنوں کو پسند آیا۔ کپڑا نہایت عمدہ اور مکمل ریشمی تھا۔ ہم نے وہاں تصویریں بھی کھنچوائیں اور کیمرے کی تمام ریل خرچ کر دی۔ اگر تاشقند میں چند سال پہلے زلزلہ نہ آتا تو یہ شہر بہت بڑا ہوتا۔ مگر اب بھی یہ شہر کراچی کی طرح کشادہ کشادہ تھا لیکن اس شہر میں کہیں ایک جگہ بھی رش یا لوگوں کا ہجوم دکھائی نہیں دیا۔ ہوائی ڈے کا فاصلہ ۲۰ کلومیٹر تھا جو ہم نے صرف پندرہ منٹ میں طے کیا۔ البتہ ایک بات سارے خوشگوار سفر کا اثر ضائع تو نہیں کر سکی لیکن اس کی وضاحت ضروری ہے۔ اس لئے اس کا تجزیہ کرنا بھی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ وہاں پاسپورٹ کی جانچ پڑتال کرنے والے عملے کا رویہ مسافروں حتیٰ کہ وی آئی پی مسافروں سے بھی غلط اور ناپسندیدہ تھا اور ہر ایک کو موصوف کی منت سماجت کرنا پڑ رہی تھی۔ ساڑھے تین بجے کے قریب تاشقند سے پاکستان کے لئے روانہ ہوئے۔ ہوائی نظارہ بھی عجیب تھا۔ ہرے بھرے کھیت' لہلہاتی فصلیں گویا ازبکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے اور خوشحال وڈیروں پر مشتمل ہے۔ جہاں سے پہاڑ شروع ہوئے وہاں سے ہمارے برادر ملک افغانستان کی سرحد شروع ہوتی تھی۔ جنگل بیابان' پہاڑ اور سنگلاخ چٹانیں اور دور دور تک کوئی سبزہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ہم ہرات سے گزر رہے تھے کہ اچانک ایک افغان جیٹ طیارہ بالکل ہمارے طیارے کی سیدھ میں آیا۔ تمام مسافروں نے کلمہ پڑھ لیا لیکن شاید اس طیارے کے پائلٹ کو خوف خدا آیا ہو کہ وہ تھوڑا سا اوپر آ کر عمودی پرواز کرتے ہوئے واپس چلا گیا۔ لیکن اس کا جھٹکا اتنا محسوس ہوا کہ چائے کی تمام پیالیاں فرش پر آ گریں۔ ایک بھونچال سا آیا۔ پائلٹ نے ہمیں تسلی دی لیکن اس کے اپنے اوسان خطا تھے۔ کیونکہ یہ شہری ہوابازی کے عالمی قانون کی صریحاً" خلاف ورزی تھی۔ پائلٹ نے بتایا کہ ۳ سیکنڈ کے لئے جہاز کا سارا نظام درہم برہم ہو چکا تھا۔ ان کے مطابق اگر ہوا میں ۳ سیکنڈ کے لئے ایسا عمل ہو جائے و پھر حادثہ اور سانحہ یقینی ہو جاتا ہے۔ لیکن چونکہ ہم ایک عظیم روحانی پیشوا حضرت شاہ ہمدان کے ہاں حاضری کے بعد واپس آ رہے تھے شاید یہ انہی کی کرامت تھی کہ وہ نظام بحال رہا۔ ہم اپنی سرزمین پر پہنچے اور سجدہ شکر ادا کیا۔

سہ ماہی مجلہ

فکرونظر

فکرونظر ادارہ تحقیقات اسلامی کا اُردو مجلّہ ہے۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کو مستقل تحقیقی تصانیف پیش کرنے کے علاوہ گذشتہ تیس برس سے اپنے عربی، انگریزی اور اردو مجلّات کے ذریعے اسلامی علوم، تہذیب، ثقافت اور زبان و ادب سے متعلق گرانقدر علمی مضامین کی اشاعت کا شرف بھی حاصل ہے۔ مجلّہ "فکرونظر" کے خصوصی شمارے اپنے اپنے موضوعات پر مآخذ کی حیثیت رکھتے ہیں جن میں سیرت نمبر، یوم تاسیس نمبر، نفاذ شریعت نمبر، حج نمبر، سید صباح الدین عبدالرحمٰن نمبر خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

بدل اشتراک

قیمت فی شمارہ: ۱۰ روپے
سالانہ چندہ: ۳۵ روپے

ادارہ تحقیقات اسلامی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی
پوسٹ بکس نمبر ۱۰۳۵
اسلام آباد ۴۴۰۰۰
پاکستان